جاوید چودھری

مرمریں ستونوں کی بہشت

''مسلم؟'' کیشئر نے نوٹ ہاتھ میں پکڑا اور اپنی گہری نیلی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ میں نے صبا کی طرف دیکھا۔ اس نے کسمسا کر پہلو بدلا۔ میں نے کیشئر کی آنکھوں میں جھانک کر گردن ہاں میں ہلا دی۔ کیشئر نے پیچھے کھڑے گارڈ کو اشارہ کیا۔ اس نے ہمارا دیا نوٹ لیا اور کیبن سے باہر آ گیا' وہ ایک جسیم ہسپانوی تھا۔ اس نے نرم آواز میں سرگوشی کی'' آپ لوگ جانتے ہیں یہ چرچ ہے یہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں'' ہم دونوں نے گردن ہلا کر تصدیق کر دی۔ اس نے ہمیں مشکوک نظروں سے گھورا اور اسی لہجے میں پوچھا'' آپ لوگ اندر نماز تو نہیں پڑھیں گے'' ہم نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دل پر بھاری پتھر رکھ کر سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ کیبن میں داخل ہوا اور ہمارا نوٹ واپس کیشئر کو پکڑا دیا۔

چھوٹا سا پھاٹک کھلا اور ہم مرمریں ستونوں کی بہشت میں داخل ہو گئے۔ ایک بے عمل، کمزور اور ناقص مسلمان ایک سابق مسجد کے برہنہ فرش پر کھڑا تھا۔ اندر عبدالرحمٰن اوّل کی خوشبو بکھری تھی۔ مروان کا پوتا عبدالرحمٰن عباسیوں کی تلواروں سے بچتا بچاتا افریقہ پہنچا اور اپنے ننھیال سے پناہ چاہی۔ وضع دار بربروں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ پانچ برس بعد وہ عبدالرحمٰن آدھے اندلس کا مالک تھا۔ وہ بادشاہ تو بن گیا لیکن دمشق کی یادوں نے اس کا دامن نہ چھوڑا۔ وہ ہر شام قلعے سے نکلتا اور دیر تک گرم ٹیلوں پر کھڑا رہتا۔ ایک روز وہ پلٹا تو وادی الکبیر کے ایک نیم تاریک گوشے میں اسے دمشق مل گیا۔ اس نے اس وقت وہاں ایک شاندار شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ معمار کام میں جت گئے۔ وہ ہر شام نو تعمیر شہر کے نظارے کے لیے وہاں آتا۔ اس کے سامنے اینٹیں بنیادوں میں اتریں، بنیادوں پر دیواروں نے سر اٹھایا اور پھر دیواروں پر چھتیں سایہ فگن ہو گئیں۔ اس نے شہر کے باہر کھجور کا پہلا درخت لگایا اور اللہ کے حضور قرطبہ کی طویل زندگی کی دعا مانگی۔ شہر مکمل ہو گیا اب جو بھی شہر کی فصیل میں داخل ہوتا دمشق دمشق پکار اٹھتا۔ پھر ایک شام اس کا ماموں زاد یحییٰ وہاں آیا، اس نے شہر دیکھا اور خاموش رہا۔ عبدالرحمٰن کی نظروں نے یحییٰ سے پوچھا'' کیوں پھر؟'' یحییٰ نے سینے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر کہا'' سلطانِ معظم کوئی شہر مسجد امیہ کے بغیر دمشق کیسے ہو سکتا ہے'' عبدالرحمٰن کے سینے پر گھونسا لگا۔ وہ واپس مڑا اور القصر کی نیم تاریک گزرگاہوں میں گم ہو گیا۔ اگلی صبح قرطبہ کے لیے نیا پیغام لے کر طلوع ہوئی۔ عبدالرحمٰن نے وادی الکبیر کے کنارے ایک قطعہ پسند کیا۔ زمین کا یہ ٹکڑا عیسائیوں کی ملکیت تھا۔ عبدالرحمٰن نے وارثوں کو ایک لاکھ درہم پیش کر دیئے اور

پھر اسی شام دنیا کی اس حیرت انگیز مسجد کی بنیا درکھ دی گئی۔ روز جب سورج کی تمازت چٹانوں کے سینے میں اترتی' عبدالرحمٰن اپنے محل سے نکلتا اور سورج کی شعائیں کند ہونے تک مزدوروں کے ساتھ اینٹیں اور گارا ڈھوتا رہتا۔ یہ مشقت اس کے کندھوں، بازوؤں اور پشت پر ثبت ہوگئی۔ رات جب کنیزیں زخموں پر پھاہے رکھتیں تو وہ مسکرا کر پوچھتا ''زہرہ! دیکھو کہیں زخم ٹھیک تو نہیں ہوگئے۔'' کنیز کہتی ''سلطان ابھی تک خون رس رہا ہے۔'' اس کے منہ سے الحمدللہ نکلتا اور وہ سرشاری کے عالم میں پکارتا ''اے اللہ! میں اس زمین پر تمہارا گھر بنا رہا ہوں' ان زخموں کے صدقے مجھے بخش دینا۔'' اندر نیم تاریک ہال میں عبدالرحمٰن کے زخموں کی خوشبو بکھری تھی۔

مسجد قرطبہ یورپ میں مسلمانوں کے کمال وفضل کی گواہ تھی۔ سنگ مرمر کے ۱۰۹۲ ستونوں پر دو دو محرابیں تھیں اور ان محرابوں کے اوپر چھت۔ چھت کو اندر سے لکڑی کا غلاف چڑھا دیا گیا تھا۔ پانچ سو برس بعد جب مسجد کی کنجیاں پادریوں کو پیش کی گئیں تو انہوں نے چھت ادھیڑ دی۔ ان کا کہنا تھا چھت کی لکڑی میں اتری آیتیں انہیں سونے نہیں دیتیں۔ یہ لکڑی بعد ازاں بازاروں میں بکی اور اندلس کے موسیقاروں نے اس سے گٹار بنوائے۔ وہ صدیوں تک لوگوں کو کہتے رہے۔ آؤ تمہیں قرطبہ کے بین سنائیں اور سننے والوں کو گٹار کے چوبی شکم سے چیخوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ المنصور کے دور میں مسجد میں دو سو اسی فانوس تھے جن میں ہر روز دس ہزار شمعیں جلائی جاتی تھیں۔ رمضان کا پہلا دن آتا تو منبر کے سامنے ایک بڑی شمع جلادی جاتی۔ یہ شمع آخری افطار کے بعد خود بخود بجھ جاتی۔ منبر کے سامنے لوہے کا جنگلہ تھا اور جنگلے پر آٹھ تالے چڑھے تھے۔ ہم دونوں جنگلے کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ سامنے دیوار سے لے کر اوپر چھت تک آیات کی روشنی بکھری تھی۔ میں نے سوچا وہ کون لوگ تھے جنہوں نے چھوٹے چھوٹے موتی جوڑ کر دیوار میں قرآن جڑ دیا۔ اندر سے جواب آیا' یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں میں زم زم اور دلوں میں حجر اسود کی گرمائش تھی۔ اسی منبر کے سامنے جی ہاں اسی منبر کے سامنے ابن عمار، ابن حزم، ابن زیدون اور ابن رشد جیسے نابغہ لوگ بیٹھتے تھے۔ یہیں کہیں ان پتھروں پر ان کے سجدے تحریر ہوں گے۔ میرے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ مجھے زندگی میں پہلی بار اپنے پاؤں برے لگے۔ یہاں ادھر دائیں طرف وہ قرآن مجید رکھا جاتا تھا جس کے ورقوں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لہو مبارک کے نشان تھے۔ میں نے اس جگہ کی شناخت کے لیے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں ٹھیک اس جگہ ایک ہسپانوی گارڈ اپنے جوتے کی ایڑیاں بجا رہا تھا۔ میرے ضبط کے سارے تار ٹوٹ گئے۔ میں نے اسے پرے دھکیلا اور اپنی پلکیں اس جگہ بچھا دیں اور پھر پتہ نہیں کہاں کہاں سے آنسو امڈ آئے اور میں پانی بن کر بہتا چلا گیا۔

(مطبوعہ: ''جنگ'' ۲۴ر جولائی ۲۰۰۴ء)